برف میں کِھلا پھُول

کے اشرف

برف میں کھِلا پھُول

(نثری نظمیں)

کے اشرف

مطبوعات............لاہور

انتساب

برف میں اُگے پھُولوں کے نام

جُملہ حقوق بحقِ خواجہ اشرف محفوظ ہیں

ISBN: 978-1-4507-3838-5

برف میں کِھلا پھول: نثری نظمیں

مصنف: کے اشرف

سرورق: چارلس کینٹر

تعداداشاعت:1000

مطبع:سی ڈبلیو پرنٹرز

سال اشاعت: مارچ2011

قیمت:300روپے

تعداد:ایک ہزار

ادارہ مطبوعات696جی فور جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

فہرست

1-	پیش گفتار	9
2-	وقت گذر جاتا ہے	11
3-	یوں ہی چلتی رہو	12
4-	قوس وقزح	14
5-	جنگل میں گمشدہ خواب	16
6-	اابنِ مریم	18
7-	سچ کیا ہے؟	20
8-	شاید	22
9-	احساسِ گناہ	24
10-	دُعا	26
11-	میں صرف خواب دیکھتا ہوں	28
12-	چاند کرتا ہے عہدِ وفا	30
13-	آدمی مکڑا ہے	32
14-	بھُوت	34
15-	جیل اور قیدی	35
16-	یادیں	36
17-	آج کی شب	37
18-	ایک خبر	38
19-	اب تاریکی سے کوئی نہیں ڈرتا	39
20-	سلام اُن دوستوں پر	41
21-	آزادی کی خواہش کے سوا	43
22-	شاعر پرندے اور پھُول	45
23-	مشرق سے اُبھرنے والا سورج	48
24-	ے ہواؤ لکھ سکو تو لکھّو	50
25-	سرِ آئینہ	52

26-	صحرا اور سمندر	54
27-	خدا نہ کرے	56
28-	چلو چلو کوئے جاناں چلیں	57
29-	سورج زاد	59
30-	الف اور عین	61
31-	خواب	63
32-	نوید عہدِ نو	65
33-	کوئی ہے جو بادل سے کہے	67
34-	ستارے اور آنسو	69
35-	برگِ زرد	71
36-	شبِ یلدا	74
37-	آنکھوں میں تیرتے خواب	76
38-	وقت	80
39-	ٹھہرا ہُوا منظر	82
40-	رات کا سورج	84
41-	آ اے دوست	87
42-	سگہائے آوارہ	89
43-	جنم دِن	91
44-	بلوچوں کے حقوق کا اعلان نامہ	94
45-	آئینۂ دل میں آویزاں عکس	98
46-	خود کو دیکھا تو خدا کو جانا	100
47-	حوّا اور آدم	102
48-	سلام اُس سرزمیں پر	105
49-	آج کی شب	108
50-	برف میں کِھلا پھُول	110
51-	اُن کا کہنا ہے	113
52-	ایستادہ رہو	117
53-	جنگل میں برستی بارش	119
54-	غم کی بارش	123
55-	ابرِ عشق	125
56-	جشنِ مرگ	127

پیش گفتار

یہ شاعری کی کتاب نہیں۔ خاص طور پر روایتی شاعری کی کتاب تو بالکل نہیں کیونکہ اس کتاب میں شامل نظمیں شاید سِکہ بند شاعروں کی نظر میں نظمیں کہلانے کی مستحق بھی نہ ہوں لیکن اس کے باوجود گزشتہ چند سالوں میں اپنی رُوحانی دنیا میں بدلتے ہوئے موسموں میں کِھلنے والے ان پھُولوں نے مجبور کیا کہ یہ کاوش اپنے قارئین کی نذر کروں۔

یہ کاوش اُنہیں پسند آئے گی یا نہیں اس کا فیصلہ تو بعد میں اُن پر چھوڑتا ہوں لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ لسانیات میں نئے تجربات کا سفر جاری رہتا ہے۔ لکھنے والے اپنی افتادِ طبع کے مطابق مختلف پیرایہ اِظہار کے سہارے اپنے باطن میں جنم لیتی حسیاتی سچائیوں کو دوسرے انسانوں تک منتقل کرتے رہتے ہیں۔

اُردو کا دامن بھی ایسے تجربات سے خالی نہیں۔ خاص طور پر گزشتہ دو تین دہائیوں میں پاکستانی شاعروں اور ادیبوں کے بین الاقوامی سفر اور بعض شکلوں میں ہجرتوں سے ان کے جغرافیائی اور ثقافتی شعور میں جو وسعت پیدا ہوئی ہے اس نے اُنہیں مجبور کیا ہے کہ وہ اردو ادب کو نئی ادبی جہتوں سے رُوشناس کریں۔ اس پر مستزاد ٹیکنالوجی کا انقلاب ہے جس نے لسانی امکانات کا دائرہ اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے ملکوں میں آباد اردو شاعر اور ادیب ایسی تخلیقات پیش کر رہے ہیں کہ ان کے سامنے روائتی شعری سانچے دھندلانے لگے ہیں۔

اس کتاب میں شامل تخلیقات کے لئے اب تک اردو ادب میں نثری نظم کا نام مستعمل ہے۔
چنانچہ میں بھی انہیں نثری نظموں کا نام دوں گا۔
آپ ان نگارشات کے مطالعہ کے بعد کیا محسوس کرتے ہیں ازراہِ کرم اپنے تاثرات سے مجھے ضرور آگاہ کریں۔

کے اشرف
1375 یونیورسٹی ایونیو
برکلے، کیلیفورنیا، یو ایس اے
Email:Jasraf@ix.netcom.com

وقت گذر جاتا ہے

وقت گذر جاتا ہے
یادوں کے چنار بجھ کے راکھ میں ڈھل جاتے ہیں
وقت کے ساتھ انسان بدل جاتے ہیں
وقت کی جھیل کے پانی پر
تیرتے کنول کے پتے
کچھ ببولوں کی صورت لرزاں
بجھتی ہوئی آنکھوں کی طرح
کسی امید کے دیئے کی لَو بن کر
سرکش ہواؤں سے آخری بار ہوتے ہیں ہم آغوش
اور بکھر جاتے ہیں
یخ فضاؤں میں اُتر جاتے ہیں

26 نومبر 2010

یوں ہی چلتی رہو

میں نے کھڑکی کے شیشے سے باہر
تمہیں جاتے ہوئے دیکھا
آسمانی رنگ کے پیراہن میں ملبُوس
لگتا تھا آسماں سے کوئی نورانی مخلوق اُتر آئی ہے
ہم آشفتہ دِلوں کے
بجھتے چراغوں کو جلانے کے لئے
ہم یاس زدوں کے گلشن میں
آس اور امید کے گلہائے تازہ کِھلانے کے لئے
میں نے کھڑکی کے شیشے سے باہر
تمہیں جاتے ہوئے دیکھا
وہ راستے جس پر اُٹھ رہے تھے تمہارے قدم
تختۂ گُل تھا یا تھی ستاروں سے مزین کہکشاں

رنگ اور نُور مل رہے تھے کچھ ایسے
تیرے پیکر میں
جیسے دور کہیں باہم ہوں زمیں اور آسماں
اے آسمانی رنگ کے پیراہن میں ملبُوس
آسمانی پیکر
اس تختۂ گُل پر یوں ہی چلتی رہو
شاید مندمل ہوں اس دل کے وہ زخم
جو گذشتہ موسمِ گُل میں ملے تھے
جب ہم نے باہم ایستادہ
اسی کھڑکی کے شیشے پر
بارش کے پھسلتے ہوئے قطروں سے پرے دیکھے تھے
آسماں سے ٹوٹ کر دو گرتے ستارے
یوں ہی چلتی رہو اس تختۂ گُل پر
ان ستاروں سے مزین راستے پر
یوں ہی چلتی رہو

22 جنوری 2010

قوس وقزح

مٹیالے رستوں کا میں رہرو

قوس وقزح تیری راہگذر

خاک نگر کا میں باسی

اوجِ فلک پر تیرا گھر

میری زمیں کے سارے موسم تیرے جلووٗں کا پرتَو

گلشن گلشن کھِلتے پھول، تیری آنکھوں کا جادو

میری محبت قطرہِ شبنم

تیری محبت دریا بہ دریا جنگل جنگل کُو بہ کُو

تیرا میرا میل ہو کیسے؟

تو خورشید، تو قمر، تو عیشِ فراواں

چند آہیں، چند آنسُو اور نغمہِ درد

میری محبت میری زیست کا سامان

مٹیالے رستوں کا میں رہرو
تیری محبت
قوس وقزح تیری راہگذر

3 ستمبر 2009

جنگل میں گمشدہ خواب

میرے خواب ہر روز مجھ سے پوچھتے ہیں
میں کب تک
انہیں تعبیر سے محروم رکھ کر
ان جانے راستوں پر یونہی گامزن رہوں گا
میں اپنے خوابوں سے شرمندہ
نیلے آسماں کی وسعتوں میں اپنے مقدر کے ستارے کو ڈھونڈتا ہوں
ستارہ
جو میرے ساتھ پیدا ہُوا تھا
ستارہ
جو ہر رات مجھ سے وعدہ کرتا ہے
کہ وہ ایک دن میرے خوابوں کی تعبیر لیے
مشرقی آسمان سے طلوع ہوگا

میں ہر صبح ستارے کے طلوع ہونے کی امید لیے
مشرقی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں
لیکن دہکتا سورج میرے خوابوں کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے
میں اپنے خوابوں سے شرمندہ سایۂ گُل میں بیٹھ جاتا ہوں
ایک سانپ پھَن پھیلائے مجھے گھُورتا ہے
میرے خواب مجھ سے نظریں چرائے مشرقی جنگلوں میں کھو جاتے ہیں
کبھی نہ لوٹنے کے لئے

26 نومبر 2010

ابنِ مریم

میری کھڑکی سے باہر
کئی صدیوں بعد صبح دم، وہ آیا نظر
دریدہ بدن، لہولہان
صدیوں پہلے
جب میں نے اُسے دیکھا تھا
تب بھی وہ ایسے ہی
خستہ تن، دریدہ بدن، لہولہان
سر جھکائے میری کھڑکی کے باہر
یوں ہی کھڑا تھا
نہ جانے کیوں ہر چند سو سالوں بعد
وہ میری کھڑکی کے باہر
اپنے لہولہو بدن کے ساتھ آجاتا ہے

خاموشی سے میری جانب دیکھتا ہے
اور پھر کہیں صدیوں کی دُھند میں کھو جاتا ہے

22اکتوبر2009

سچ کیا ہے؟

سچ کیا ہے؟
میں نے اپنے پرائمری اسکول کے اُستاد سے پوچھا
سچ کیا ہے؟
میں نے اپنے ہائی اسکول کے اُستاد سے پوچھا
سچ کیا ہے؟
میں نے اپنے کالج کے ہر اُستاد سے پوچھا
سچ کیا ہے؟
اس سوال کا بوجھ اٹھائے میں نے ہر دروازے پر دستک دی
اس سوال کا جواب نہ کہیں ملنا تھا نہ ملا
سچ کیا ہے؟
اس تلاش میں بچپن گزرا
سچ کیا ہے؟

اس تلاش میں جوانی گزری

سچ کیا ہے؟

اس تلاش میں بڑھاپے کی دہلیز تک آ پہنچے

لیکن اب بھی

سچ کیا ہے؟

سچ کیا ہے؟

کی رٹ جاری ہے

شاید

سچ وہ محبوب ہے

جس کا دیدار نہیں ممکن

جس کا اقرار نہیں ممکن

جس کا انکار نہیں ممکن

سچ کیا ہے؟

محبوب، دیدار، اقرار، انکار

12 ستمبر 2009

شاید

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں وہ سوال
جس سے ہمارے آباؤ اجداد صدہا سال
چُراتے رہے ہیں نظریں
کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس بحر کی تہہ میں اتریں
جس کی گہرائی کا خوف
دوڑتا ہے ہمارے رگ و پے میں لہو بن کر
کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ان کھنڈرات میں جائیں
جہاں ہماری گمنام محبوبائیں
ہاتھوں میں لئے سُوکھے ہوئے پھولوں کے ہار
پتھرائی ہوئی آنکھوں سے منتظر ہیں کہ شاید ہم
لوٹ آئیں اجنبی دنیاؤں کے سفر سے
آؤ ان سوالوں کی لاشوں پر ہو کے سوار

ان گہرے سمندروں میں اتریں
اور ان کھنڈرات تک جائیں جن کی محبت میں ہم
نئے مسکن بنانے سے ڈرتے ہیں
اور ان گہرے سمندروں میں اُترنے سے ڈرتے ہیں

25اگست2009

احساسِ گناہ

یہ خاموشی
یہ تنہائی‘ یہ رات کا سکُوت
یہ بوجھل دل اور گلی میں
لیمپ کی جھلملاتی روشنی
وہ کون تھی‘ میں سوچتا ہوں
جو میری زندگی میں چپکے سے آئی اور پھر
اپنی ساری محبتیں مجھ پر نچھاور کر کے چلی گئی
میں احساسِ گناہ سے گرفتہ دل
اُس کی محبت کے حسین لمحوں کو
اپنی زندگی کے اجاڑ آنگن میں
خزاں کے پتوں کی طرح گرتے دیکھتا ہوں
اور سوچتا ہوں‘ کیا وہ کبھی پھر لوٹے گی
گلی کے لیمپ کی جھلملاتی روشنی تھرتھرا کر

مجھ سے اظہارِ ہمدردی کرتی ہے
باہر درخت پر بیٹھا کوئی پرندہ
رات کی تاریکی میں اڑان بھرتا ہے
شاید
اُس نے درخت کے تنے پر
کسی سانپ کے رینگنے کی آہٹ سُنی ہے
یہ خاموشی، یہ تنہائی
یہ رات کا سکوت، یہ بوجھل دل اور گلی
لیمپ کی جھلملاتی روشنی
وہ کون تھی میں سوچتا ہوں
درخت سے ایک پرندے کی درد میں ڈوبی صدا
میرے کانوں سے ٹکراتی ہے
خاموشی ٹوٹ جاتی ہے
تنہائی روٹھ جاتی ہے
میں سوئی آنکھوں سے دیکھتا ہوں
وہ جنگل میں تنہا بے لباس مجھے بلاتی ہے
میں ہمیشہ کا بزدل، احساسِ گناہ سے دلبرداشتہ
اُس کی محبت کو بھلا کر آنکھیں کھول دیتا ہوں

4 دسمبر 2010

دُعا

اے الٰہی العالمین
آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں سے بھری دنیا میں
اپنے دکھی انسانوں کو خوشیوں کے چند لمحے عطا کر
کچھ ایسے لمحے جن میں ساری دنیا کے انسان
بلا امتیازِ رنگ و نسل بلا امتیازِ مذہب وملت مسکرا اٹھیں
اے الٰہی العالمین کیا تیرے لئے یہ ممکن نہیں
کہ تُو اپنے انسانوں کے دُکھوں کو خوشیوں میں بدل دے
اے الٰہی العالمین میں تجھ سے ایمان نہیں مانگتا
دین نہیں مانگتا، جہنم سے رہائی نہیں مانگتا
جنت نہیں مانگتا
بس تجھ سے تیرے انسانوں کیلئے خوشیاں مانگتا ہوں
کبھی نہ ختم ہونے والی خوشیاں
اے الٰہی العالمین

ان کے آنسو ان کی آہیں، ان کی سسکیاں
ان کے دُکھ دیکھے نہیں جاتے
ان کی کمزوری اور بے بسی کی ہیں دلیل
میں تجھ سے ان کے لئے خوشیاں مانگتا ہوں
کبھی نہ ختم ہونے والی خوشیاں
تُو نے عطا کئے ہیں
انہیں پھولوں جیسے چہرے
تُو انہیں پھولوں جیسی مسکراہٹیں بھی عطا کر
تاکہ تیری دنیا آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں کی بجائے
انسانی چہروں کے پھولوں سے
ہمیشہ چمکتی رہے اور مہکتی رہے

5دسمبر2010

میں صرف خواب دیکھتا ہوں

میں صرف خواب دیکھتا ہوں
اچھے اور بُرے خواب
خوابوں پر کسی کا اختیار کب ہوتا ہے
کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی صرف اچھے خواب دیکھے؟
کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی صرف بُرے خواب دیکھے؟
اچھے خوابوں سے میرا چہرہ چمک اُٹھتا ہے
مشرق سے اُبھرتے سورج کی طرح
بُرے خوابوں سے میرے چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی ہے
میں ٹوٹے دل سے اپنے بُرے خواب
کسی کاغذ کے ٹکڑے کی طرح تہہ کر کے
اپنی جیب میں ڈال لیتا ہوں
میرے گھر کے پاس ایک دریا بہتا ہے

سب بُرے خواب

تہہ شدہ کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح
دریا کے آبِ رواں میں ڈال دیتا ہوں
بُرے خوابوں کی سیاہی
دریا کے پانی میں پھیل جاتی ہے
میں خوابوں کی دنیا میں
واپس لوٹ جاتا ہوں
میں صرف خواب دیکھتا ہوں
اچھے اور بُرے خواب
خوابوں پر کسی کا اختیار کب ہوتا ہے

10دسمبر2010

چاند کرتا ہے عہدِ وفا

آسمان پر چمکتا چاند

اور

قبرستان میں کھُدی ایک تازہ قبر

بے نشاں' بے نام

بے برگ و گُل ' کس کی قبر ہے یہ

سوچتا ہے چاند' یہ قبر ہے

ایک طوائف کی' ایک خوبصورت عورت کی

جسے زندگی میں کوئی چاہنے والا نہ ملا

سب خریدار ملے کوئی نہ ملا جو سنتا

اُس کے دل کی دھڑکن

جو اُس کے سلگتے ہونٹوں پر رکھ کر ہونٹ

کہتا کہ تم میری ہو

اور میں فقط تمہارا ہوں

آج سوگوار چاند اُس کی قبر پر رک کر

ذرا سا جھک کر اُس سے عہدِ وفا کرتا ہے

اے مادرِ گیتی کے بدن میں خوابیدہ گُل رو

آج سے میرا چمکنا فقط تیرے لیے ہے

میں تیرے لئے ہوں

اور تو

فقط میرے لئے ہے

23 ستمبر 2009

آدمی مکڑا ہے

آدمی مکڑا ہے
جال بنتا رہتا ہے' مختلف خیالوں کے
تاکہ ان میں پھانس لے خوف زدہ لوگوں کو
خوف زدہ لوگ جو زندگی سے ڈرتے ہیں
موت سے پہلے جو سو بار جیتے ہیں
سو بار مرتے ہیں
آدمی مکڑا ہے جال بُنتا رہتا ہے
مذہب ایک جال ہے' فلسفے بھی جال ہیں
مکھیوں کی طرح جن میں پھنس کے آدمی
اس طرح بے حال ہیں
سوچ ہے نہ فکر ہے' خوف سے نڈھال ہیں
آدمی مکڑا ہے جال بُنتا رہتا ہے

کاش لوگ جانتے

فلسفے اور مذہب کو ماننے سے پیشتر

خود کو یہ پہچانتے

لیکن ان کے سروں پر خوف جو سوار ہیں

یہ ان خوفوں سے اس قدر بیمار ہیں

چاہیں بھی تو یہ خوفوں کے جال سے

مکڑوں کی چال سے باہر آ سکتے نہیں

آدمی مکڑا ہے جال بُنتا رہتا ہے

جس میں آ کے آدمی

مکھیوں کی طرح

کسمسا کے گرتے ہیں

اور مرتے رہتے ہیں

16 دسمبر 2010

بھُوت

سارے ہیرو مر جاتے ہیں
بھُوت ان کے زندہ رہتے ہیں
لوگوں کو
ہیرو کی یاد دلاتے ہیں
لوگ اپنے اپنے ہیرو کی یادوں میں
گاہے روتے ہیں
گاہے ہنستے ہیں
گاہے سینہ کوبی کرتے ہیں
گاہے قتل و غارت پر
آمادہ ہوتے ہیں
سارے ہیرو مر جاتے ہیں
بھُوت ان کے زندہ رہتے ہیں

18 دسمبر 2010

جیل اور قیدی

جب یہ جیلیں عظیم لوگوں کا مسکن تھیں
قوم کو کیسے کیسے شاہکار ملتے تھے
دیس کی مانگ بھرتی تھی چاند تاروں سے
جیل کے سلاسل چمکتے تھے تو
دیس کے عارض و رخ پر
صبحِ نو بکھرتی تھی
اب تو یوں ہے کہ جیلوں سے
ایسے فنکار بر آمد ہوتے ہیں
جن سے دیس کی مانگ میں چاند تارے نہیں خاک بھرتی ہے
ہر صبحِ نو آتی ہے ماتم کناں
ہر شام دیس میں خوں بداماں اُترتی ہے

20دسمبر2010

یادیں

کیا ہوئے وہ محبتوں کے قِصے ؟
کیا ہوئی وہ جوانی ؟
کیا ہوئے وہ ندیا کے کنارے؟
کیا ہوئی وہ آب کی روانی ؟
کہاں کھو گیا وہ سب کچھ؟
کہاں بہہ گیا وہ پانی ؟
اب تو فقط یادیں ہیں
اور ان یادوں کی کہانی
اللہ سے دعا ہے رہیں سدا سلامت
سب ہمارے دشمن اور یار جانی

22دسمبر2010

آج کی شب

آج کی شب میں اور اُس کا خیال
یوں باہم ہیں کہ دل اس سے خوش ہے
اور اُس سے پیمانِ وفا باندھتا ہے
خدا نہ کرے اس شب کی سحر ہو
اور دل کا اُس سے پیمانِ وفا ٹوٹے
آج کی شب میں اور اُس کا خیال یوں باہم ہیں
کہ ہم میں کسی اور خیال کی آمد کا نہیں امکاں کوئی
خدا نہ کرے اس شب کی سحر ہو
اور اگر سحر ایسی حسیں شب پر شب خوں مارنا چاہے
تو خدا کرے ایسی سحر کو دور کہیں موت آ جائے
آج کی شب اور اُس کا خیال یوں باہم ہیں
کہ دل اس سے خوش ہے
اور میں دل سے

25 دسمبر 2010

ایک خبر

ایک ٹرک نے ایک سڑک پر
ایک عورت کو ماری ٹکر
مر گئی وہ بے چاری وہیں پر
وہ عورت تھی بے گھر بے در
شہر کے کارندوں نے آ کر
لاش اُٹھائی اُس کی آخر
لے گئے اُس کو قبرستان میں
کفن دیا اُس کو نہلا کر
پھر اُتارا قبر میں اُس کو
ایک بے چاری بے گھر نے
پا لیا ہے گھر آخر

17 جنوری 2011

اب تاریکی سے کوئی نہیں ڈرتا

وہ بھی دن تھے کہ لوگ
تاریکی سے ڈرا کرتے تھے
تب وردی میں ملبُوس
ایک ڈکٹیٹر نے بھی یہی سوچا تھا
کہ لوگ تاریکی سے ڈرتے ہیں
لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ سب لوگ
تاریکی سے نہیں ڈرتے
کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں چقماق بھی ہوتا ہے
جس سے شرارے پھوٹتے ہیں
جو تاریکی کے ہر پیکر کو
جلا کر بھسم کر دیتے ہیں
آج وہ ڈکٹیٹر تو دنیا میں دربدر پھرتا ہے

لیکن افسوس جو اس کی جگہ بیٹھے ہیں
وہ بھی یہی سوچتے ہیں
کہ لوگ تاریکی سے ڈرتے ہیں
کون سمجھائے ان نادانوں کو
تاریکی آخر تاریکی ہے
چقماق کا ایک شرارہ
یا سورج کی ایک کرن
اس کو مٹانے کیلیئے کافی ہے
اُنہیں معلوم نہیں
کہ افلاس کے مارے کروڑوں لوگ
ہاتھ میں چمقاق لیے
سورج کی کرن ساتھ لیے
ہر سمت سے اُمڈے چلے آتے ہیں
تاریکی کو مٹانے کے لئے
نئ شمعیں جلانے کے لئے
وہ شمعیں جو بُجھا نہیں کرتیں
جو تاریکی سے ڈرا نہیں کرتیں

22 ستمبر 2009

سلام اُن دوستوں پر

سلام اُن دوستوں پر جواب بھی
جمہوریت کے پرچم اُٹھا کر سرِ بازار چلتے ہیں
سلام اُن دوستوں پر جواب بھی
انسان دوستی کی مشعلیں جلا کر
انسان دشمن اندھیروں میں اُجالے کرتے ہیں
سلام اُن دوستوں پر جن کی آنکھیں
ابھی تک نئی دنیا کے خواب سے منور ہیں
دھتکار
ان گندم نما
جَو فروشوں پر
جو لیتے ہیں نام جمہوریت کا
انسان دوستی کا لیکن بن جاتے ہیں

ہر گرتے آمر کے دست و بازو

دھتکار

ان دیں فروشوں پر
جنہیں ظلم و ستم کی
ہر شکل اچھی لگتی ہے

سلام اُن دوستوں پر
جن کے پرچم
جھُکنے نہیں پاتے

سلام اُن دوستوں پر
جن کے قدم
رُکنے نہیں پاتے

سلام اُن دوستوں پر
جن کی مشعلوں کے شعلے
کبھی بجھنے نہیں پاتے

27 ستمبر 2009

آزادی کی خواہش کے سوا

آزادی کی خواہش کے سوا
ہر خواہش ایک پنجرہ ہے
جس کی سلاخوں میں بند ہو کر کھو دیتا ہے
ہر انساں وہ جوہر پاک
جو اسے رکھتا ہے
رواں از مکاں تا مکاں از زماں تا زماں
خواہشوں کے پنجرے کی
آہنی سلاخیں چھین لیتی ہیں
انسانوں سے انسانیت
اور پرندوں سے آزادی
خواہشوں کے اس پنجرے میں
ایک خواہش ایسی ہے

جس سے ٹوٹ جاتے ہیں سب پنجرے، سب بندھن
وہ خواہش ہے آزادی کی
ہر انساں پر لازم ہے
وہ خوف، بھوک، ننگ، افلاس اور استحصال کو
آزادی کے پرچم میں ڈھالے
آزادی کی خواہش کے سوا کوئی اور خواہش مت پالے
جسم اور جاں کے تعلق سے ورا
سوچ اور شعور کے تعلق سے ورا
گرمی اور سردی کی شدت سے ورا
ہونے اور نہ ہونے کے احساس سے ورا
ذات کے شعور سے ورا
چاند اور سورج کی قلمرو سے باہر
کہکشاؤں کے بہاؤ سے باہر
وقت اور مکاں کے امکاں سے باہر
آزادی کا شعلہ جلائے رکھے
آزادی کا پرچم اُٹھائے رکھے
تمہارا یہ نورانی دل ہمیشہ دھڑکتا رہے گا

9 اکتوبر 2009

شاعر پرندے اور پھُول

شاخوں نے کہا
پتّوں سے
پتّوں نے کہا
پرندوں سے
پرندوں نے کہا
پھُولوں سے
پھُولوں نے کہا
ہواؤں سے
ہواؤں نے کہا
ستاروں سے
ستاروں نے آخرِ شب
سرگوشی کی شاعر سے
شاعر نے نغموں گیتوں میں

جلتی بجھتی روشنیوں کی موسیقی میں
شاخوں اور پتوں کی، پتوں اور پھولوں کی
پھولوں اور ہواؤں کی، ہواؤں اور ستاروں کی
ساری باتیں کہہ ڈالیں
اب شاخیں پتوں سے اور پتے پرندوں سے
اور پرندے پھولوں سے اور پھول ہواؤں سے
اور ہوائیں ستاروں سے کچھ نہیں کہتے
اب ستارے شاعر سے سرگوشیاں نہیں کرتے
شاعر خاموش اور اُداس اپنے مردہ نغموں کی
لائنوں سے لپٹا پتھرائے منظروں کے نوحے لکھتا ہے
شاخیں، پتے، پرندے، پھول، ہوائیں، ستارے اور رُوح الامیں
شاعر کو دلاسہ دیتے ہیں
لیکن شاعر کے نوحے آنسو بن کر
شاخوں، پتوں، پھولوں، ہواؤں اور ستاروں میں
ڈھلتے جاتے ہیں
اس نورانی منظر سے شاعر کی روح کِھل اُٹھتی ہے
شاعر اور روح الامیں مل کر رقص کرتے ہیں
شاخیں، پتوں سے
پتے پرندوں سے

پھُول ہواؤں سے اور ہوائیں ستاروں سے
سرگوشیاں کرتے ہیں
شاعر اور روح الامیں مل کر رقص کرتے ہیں

14 اکتوبر 2009

مشرق سے اُبھرنے والا سورج

ہر صبح
مشرق سے اُبھرتے سورج سے
میں پوچھتا ہوں
اے راتوں کی تاریکی مٹانے والے
اے سرد جسموں کو حرارت دینے والے
اے سمندروں کے پانی کو ابر بنا کر برسانے والے
اے باغوں میں خزاؤں کو بہار اور
بہاروں کو خزاں بنانے والے
جس ربِ عظیم کے حکم سے تم یہ سب کرتے ہو
اس ربِ عظیم سے پوچھو
کچھ بے بس انسانوں کی زندگیوں پر چھائی غم کی رات
کیوں نہیں ڈھلتی؟

کچھ یخ بستہ جسموں کی سردی کیوں نہیں مٹتی ؟
کچھ لوگوں کی زندگیوں سے پت جھڑ کا موسم
کیوں ختم نہیں ہوتا ؟
ہر صبح مشرق سے اُبھرنے والا سورج بن کچھ کہے
مغربی کوہسار کی چوٹی سے ٹکرا کر
ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے
آسماں کی وسعتوں میں
کھو جاتا ہے
شب بھر کے لیے
سو جاتا ہے

5 اکتوبر 2009

اے ہواؤ لکھ سکو تو لکھّو

اے ہواؤ!

لکھ سکو تو لکھّو

لوحِ سطحِ آب پر

کوئی نام

شیریں سا نام، پیارا سا نام

اے ہواؤ

لکھ سکو توں لکھّو

کوئی نام جس کو پڑھ کر

دنیا بھر کی ظلمتوں کے گریباں چاک ہوں

اے ہواؤ، لکھ سکو تو لکھّو

کوئی نام، جس کی خوشبو پوری دنیا کو

اس طرح معطر کر دے

زندگی کے سارے مظہر جاگ اُٹھیں

دنیا بھر میں جشنِ آزادی کا ہو سماں
اے ہواؤ لکھ سکو تو لکھّو
لوحِ سطحِ آب پر
کوئی نام
شیریں سا نام
پیارا سا نام

21 اکتوبر 2009

سرِ آئینہ

عشق نہ تو کلمہ ہے
نہ ہی استعارہ ہے
نہ کوئی علامت ہے
عشق ایک نغمہ ہے
جو گونج اُٹھتا ہے
روح کی گہرائیوں میں
عشق ایک پھول ہے
جو کہ کھِل اُٹھتا ہے
دِل کی سرزمینوں میں
عشق ایک سمندر ہے
جس میں ڈُوب جاتے ہیں
چاند، تارے اور آنسُو

عشق ایک آئینہ ہے
جس میں پنہاں، سب چہرے منتظر رہتے ہیں
اس ایک چہرے کے
جو آئے سرِ آئینہ
تو کوئی اور چہرہ دکھائی نہ دے
عشق کے سوا کوئی اور حرف سنائی نہ دے
عشق نہ تو کلمہ ہے
نہ کوئی استعارہ ہے
نہ کوئی علامت ہے
عشق ایک چہرہ ہے
جو آئے سرِ آئینہ
تو کوئی اور چہرہ دکھائی نہ دے
کوئی اور حرف سنائی نہ دے

22 اکتوبر 2009

صحرااور سمندر

حدِ نظر تک پھیلا صحرا
اور صحرا پر لپکتے
آسماں کی وُسعتوں میں چمکتا چاند
اور چاند کی روشنیوں میں
برہنہ تن
نہائی صحرا کی ریت
کوئی ہے
جو ایسے حسیں منظر میں
از خود رفتہ نہ ہو
آتے جاتے زمانوں سے
وابستہ نہ ہو
حدِ نظر تک پھیلا سمندر

سطحِ سمندر پر اُبھرتی اور بکھرتی لہریں
لہروں کے عقب میں
آسماں کی نگرانی میں
سمندر میں برہنہ تن نہاتا چاند
کوئی ہے جو ایسے حسیں منظر میں ازخود رفتہ نہ ہو
آتے جاتے زمانوں سے وابستہ نہ ہو
سچ تو یہ ہے
رات کے پچھلے پہر خنک ہواؤں کی اُنگلی تھامے
شاعر کبھی صحرا کی اور کبھی
ساحلِ سمندر کی ریت پر چلتا
ازخود رفتہ
آتے جاتے زمانوں سے وابستہ
دور بہت دور
نکل جاتا ہے
ازخود رفتہ
آتے جاتے زمانوں سے
وابستہ

28اکتوبر2009

خدا نہ کرے

خدا نہ کرے دُکھی ہو تُو
خدا نہ کرے تیری آنکھ میں آنسو آئیں
خدا نہ کرے تیرا یہ دھڑکتا دل بن جائے
غم و آلام کی رہگزر
خدا نہ کرے تیری راتوں کی طوالت
اتنی بڑھے کہ پریشاں ہو تُو
خدا نہ کرے
تیری امیدوں کا سورج
مغربی کہسار کی چوٹی سے ٹکرا کر
آئینے کی طرح ٹوٹے
اور بکھر جائے
خدا نہ کرے دُکھی ہو تُو
خدا نہ کرے تیری آنکھ میں آنسُو آئیں

ستمبر 2009

چلو چلو کوئے جاناں چلیں

چلو چلو
کوئے جاناں چلیں
خنداں چلیں، شاداں چلیں، رقصاں چلیں
چلو چلو
کوئے جاناں چلیں
رفتار میں ہو بانکپن
آنکھوں میں خورشید کی چمک
خنداں چلیں، شاداں چلیں، رقصاں چلیں
چلو چلو
کوئے جاناں چلیں
ہو جائے چاہے جاں کا زیاں
جاں کا زیاں، علم و فن کا زیاں

علم وفن کا زیاں، اور ہنر کا زیاں
پر نہ رُکیں ہمارے قدم
بڑھتے ہی جائیں سمتِ کوئے جاناں
ہم جائیں وہاں خوشبو بن کر، صبا بن کر
خورشید کی پہلی کرن بن کر
یا کھِلتے گلوں کی صدا بن کر
چلو چلو
کوئے جاناں چلیں
سوئے جاناں چلیں

29 اگست 2009

سورج زاد

اُٹھو
سورج زاد اُٹھو
تم سورج زاد ہو
یہ شب زاد
شجروں پر لٹکتے چمگادڑ
تمہارا رستہ کیا روکیں گے؟
یہ شب زاد
اندھی، گونگی اور بہری مخلوق
ان کا مقدر تاریکی میں پیدا ہونا
تاریکی میں جینا
اور تاریکی میں مر جانا
یہ کسی کو روشنی کیا دیں گے؟

تم سورج زادہو

روشنیاں بانٹنے والے

چمکیلے اُجالے تمہارے ساتھی

تم چاہو بھی تو

تاریکی سے میل تمہارا

ناممکن ہے

اُٹھو روشنیاں بانٹو

اوران شب زادوں کا

قلع قمع کردو

26اگست2009

الف اور عین

بُلّھے شاہ نے
ایک الف مانگا تھا
بُلّھے شاہ کو معلوم نہ تھا
الف سے آگے، عین بھی ہے
الف اگر مل بھی جائے
تو عین کے بغیر بے معنی ہے
بُلّھے شاہ کو معلوم نہ تھا
اصل کہانی الف کی نہیں عین کی ہے
یہ عین ہی ہے
جو آگ کا دریا بن کر دل کو جلاتا ہے
یا ابر باراں بن کر دل کو گل
گُل کو خوشبو

خوشبو کو مہک اور مہک کو عشق بنا دیتا ہے

بلّھے شاہ نے ایک الف مانگا تھا

بلّھے شاہ کو معلوم نہ تھا

الف سے آگے عین بھی ہے

الف اگر مل بھی جائے تو

عین کے بغیر بے معنی ہے

25 اکتوبر 2009

خواب

ہم لوگ بھی
کیسے لوگ ہیں
خواب میں پیدا ہوتے ہیں
خواب میں زندہ رہتے ہیں
خواب میں مر جاتے ہیں
خواب ہماری حقیقت ہیں
خواب ہماری اصلیت ہیں
خواب ہماری مائیں ہیں
خواب ہمارے باپ ہیں
خواب ہمارے بچے ہیں
ہم لوگ بھی، کیسے لوگ ہیں
خواب ہماری سانسیں ہیں

خواب ہماری خواہشیں ہیں
خواب میں ہم سوتے ہیں
خواب میں ہم جاگتے ہیں
خواب ہمارے گملے ہیں
گملوں میں پھول کِھلتے ہیں
ہم لوگ بھی کیسے لوگ ہیں
خواب ہمارے ٹیرس ہیں
خواب ہمارے گھروندے ہیں
خواب ہمارے آنسُو ہیں
خواب ہمارے قہقہے ہیں
ہم لوگ بھی کیسے لوگ ہیں
خواب میں پیدا ہوتے ہیں
خواب میں زندہ رہتے ہیں
خواب میں مرجاتے ہیں

7نومبر 2009

نویدِ عہدِ نو

تیری آنکھوں کا غرور

تیرے چہرے پر پھیلا صبح کا نور

ہے عاشقانِ جہاں کے لیے

عہدِ نو کی نوید

منتظر سب ہیں

موسمِ گُل کے کب سے

صحن در صحن پھیلے برگہائے زرد

قدموں تلے چرمرائیں تو درد کی ٹیسیں

لب بہ لب، چشم بہ چشم، چہرہ بہ چہرہ

سارے میں پھیل جاتی ہیں

منتظر سب ہیں

موسمِ گُل کے کب سے
تیری آنکھوں کا غرور
تیرے چہرے پر پھیلا صبحِ نو کا نور
ہے عاشقانِ جہاں کے لیے
عہدِ نو کی نوید

3 نومبر 2009

کوئی ہے جو بادل سے کہے

شاید اب کے
برسنے والی بارش سے تر ہوں
ہماری خشک دھرتی کے
غم کے لئے ترستے ہونٹ
شاید اب کے برسنے والی بارش سے
ہمارے مرجھائے ہوئے
پھولوں کے رخساروں کی سرخی لوٹ آئے
شاید اب کے برسنے والی بارش سے دُھل جائیں
خوں کے وہ دھبے
جن کو مٹانے کی خواہش میں
ہم خود مٹے جاتے ہیں

کوئی ہے، جو بادل سے کہے

ہماری دھرتی کے، نم کے لئے برسے

ہونٹوں کی خشکی ہمارے مرجھائے ہوئے

پھولوں کے رُخساروں کی زردی

ہمارے در و دیوار پر لگے خوں کے دھبے

مٹانے کے لئے آئے

برسے

اور ہماری دنیا کو جَل تھَل کر دے

11 نومبر 2009

ستارے اور آنسو

آسمان پر
کھربوں ستاروں میں سے
ایک ستارہ ٹوٹا
تو میں نے سوچا
یہ میری قسمت کا ستارہ تھا
جو نیلگوں آسماں کی وسعتوں میں
ہمیشہ کے لئے کھو گیا ہے
میں نے تیری آنکھوں میں دیکھا
تو ایک آنسُو
تیرے مہتابی رخساروں سے پھسل کر
میری ہتھیلی پر آن گرا
میں نے جانا

کھربوں ستاروں میں سے
ایک ستارہ ٹوٹنے کے باوجود
میری خوش بختی ابھی قائم ہے
آسماں پر ہزاروں ستارے ٹوٹیں
یا بجلیاں کوندیں
میں جانتا ہوں میرے محبوب کی چمکتی
روشن آنکھیں
میری خوش بختی کے لیے کافی ہیں

4 دسمبر 2009

برگِ زرد

اپنے کمرے کی
مغربی کھڑکی کے باہر
روز غروب ہوتے سورج کو دیکھتا ہوں
سورج کی آنکھ بند ہوتے ہی
تاریکی
بے آہٹ قدموں پر چلتی
میرے درو دیوار پہ چھا جاتی ہے
دل میں جل اُٹھتا ہے
غم کا چراغ
کسی ایسے عشق کی
یادوں کا چراغ
جو موسمِ خزاں کے

پہلے زرد پتے پر
لکھے نام کی طرح
ہواؤں کے کندھے پر سوار
اجنبی دنیا میں ایسے گیا
کہ لوٹ کر نہیں آیا
میں اپنے کمرے کی
مغربی کھڑکی کے باہر
روز غروب ہوتے ہوئے
سورج کو دیکھتا ہوں
شاید موسمِ خزاں کا

وہ زرد پتہ
جس پر لکھا تھا ایک نام
کسی شام
سورج کی آنکھ بند ہونے سے پہلے
ہواؤں کے کندھے پہ سوار
میری دنیا میں لوٹ آئے
اور درد کے سارے چراغ
ستارے بن کر آسمان پر جھلملانے لگیں
میں اپنے کمرے کی مغربی کھڑکی میں کھڑا

ان ستاروں سے کہہ دوں
خزاں کے زرد پتے پر
لکھا وہ نام
جو ہر شام
جل اُٹھتا ہے
میرے دل میں درد کا چراغ بن کر

14 دسمبر 2009

شبِ یلدا

شبِ یلدا آئی اور گزر گئی
تیرا غم تھا
کہ شب بھر درد کی ٹیسوں
سے لحظہ بہ لحظہ
اک لُٹے کارواں کی طرح
جانبِ صبحِ نو
چلتا رہا
دل تیری یادوں میں کھویا رہا
جلتا رہا
صبح آئی بھی تو
اک طوائف کی طرح
شب بھر کی مزدوری سے تھکی
پریشاں حال
ایک سچی محبت کے

نہ ہونے کے
غم سے نڈھال
شبِ یلدا آئی اور گزر گئی
شبِ یلدا انتظار کی شب
شبِ یلدا تنہائی کی شب
شبِ یلدا امید
اور جشن کی شب
شبِ یلدا آئی اور گزر گئی
دل تیری یادوں میں کھویا رہا
جلتا رہا
تیرا غم تھا
کہ شب بھر درد کی ٹیسوں
سے لحظہ بہ لحظہ
اک لٹے کارواں کی طرح
جانبِ صبحِ نو
چلتا رہا

22 دسمبر 2009

آنکھوں میں تیرتے خواب

ان خواب آلود آنکھوں میں
تیرتے خوابوں کی
پرچھائیوں میں
ہم اپنے چانداورسورج
ڈھونڈتے ہیں
وہ چانداورسورج
جوایک عرصہ سے
ہم سے گریزاں
دور کہیں آسماں کے
ان کناروں پر تیرتے رہتے ہیں
کہ ان کی روشنی
ہم تک پہنچنے سے پہلے

دم توڑ جاتی ہے
ہم اپنی تاریک گلیوں
اور کوچوں میں
اپنے اداس در و بام پر
کھڑے
آسماں کی طرف
اپنے بازو پھیلائے
روشنیوں کی بازیافت کی تمنا
دلوں میں لیے
اپنی فریاد
ہواؤں کے دامن پہ لکھتے ہیں
آسماں ہماری تیرہ بختی پر
آنسو بہاتا ہے
ان خواب آلُود آنکھوں میں
تیرتے خوابوں کی
پرچھائیوں میں
ہم اپنے چانداور سورج ڈھونڈتے ہیں

5 جنوری 2010

خلاء

تیری غم میں ڈُوبی
سرد اور خاموش آنکھیں
سوئی سوئی، کھوئی کھوئی
اس سے پہلے کہ تُو کچھ بولے
سب کچھ مجھ سے کہہ دیتی ہیں
مجھ سے اور جو کچھ میرے اندر نہاں ہے
کب تک تم بھاگو گے
کب تک یوں ہی دور رہو گے
یاد آیا کہ اک دن اپنی کشاکش کے باعث
مجھ سے تم کھنچے کھنچے تھے
اور اس کشمکش میں
آخری ملاقات کے وقت پہلی بار

یہ جہاں مجھے بہت خالی لگا تھا
پہلی بار میں نے ہوا کا رونا سُنا تھا
پہلی بار برگہائے خزاں کو
افسوس سے ہاتھ ملتے دیکھا تھا
آج پھر جب تم نے
پرانی کہانی چھیڑ کر میرے جذبوں کی موجوں کے
سب بند کھول دیئے ہیں
میں غم کے ریشم میں لپٹی سوچتی ہوں
میرے دل پر اب بھی تمہاری حکومت ہے
حالانکہ
اب بھی میں نہیں جانتی
کون ہو تم ؟ اور کیا ہو تم ؟

ماخوذ از
فروغ فرخزاد

وقت

کہنے کو
میں ایک مسافر ہوں
ساری دنیا جامد و ساکت
سُنتی ہے میرے قدموں کی چاپ
میں ہوں وقت
آتا ہوں اور جاتا ہوں
راکھ اور تارے، صحرا اور بادل، شجر اور پرندے لوگ اور آفاق
سب پر میرا تسلط ہے کہنے کو
میں ایک مسافر ہوں
دنیا سے ایسے گزرتا ہوں
میرا عکس ہے
خوابوں میں، آنسوؤں میں، مسکراہٹوں میں

پنگھوڑوں میں، تابوتوں میں

میری صدا ہے

لوگوں کی آہوں اور نغموں میں

کہنے کو میں ایک مسافر ہوں

سب رشتوں سے اوپر

میں ہوں وقت

میرا دوسرا نام ہے، آزادی

ماخوذ از محمود کیانوس

28 اگست 2009

ٹھہرا ہُوا منظر

دشت میں ریت اور ہوا کا
جب بھی ہوا اختلاط
کتنے نئے منظر
اُبھرتے ہیں
اور صحرا کی وسعتوں میں
دُور تک
پھیل جاتے ہیں
سمندر کی سطح پر
جب موجیں ہَوا کے ساتھ مل کر
رقص کرتی ہیں
کتنے نئے منظر اُبھرتے ہیں
اور ٹوٹ جاتے ہیں
جنگلوں میں اشجار کی لچکیلی شاخیں

ہواؤں کے ساتھ مل کر
کتنے نئے منظر بناتی
اور مٹاتی ہیں
مگر یارب
یہ کیسا دیس ہے میرا
کہ جس پر مسلط ہے
عجب آسیب کا سایہ
یہاں پر آندھیاں آئیں
بجلیاں کوندیں
یا وحشی طوفانوں کے
ریلے ہوں
یہاں
منظر میں ٹھہراؤ ہے
کچھ ایسا
کہ سب کچھ بھی بدل جائے
تو منظر میں
کوئی تبدیلی نہیں آتی
کبھی تبدیلی نہیں آتی

19 ستمبر 2009

رات کا سورج

ایک شب ہم نے دیکھا
سورج اُتر آیا ہے
زمیں پر یہ سورج
اُس سورج سے مختلف تھا
جسے ہم جانتے ہیں
اس سورج میں گرمی تھی
جلا دینے کی طاقت تھی
اس کو نظر بھر دیکھنا ممکن نہیں تھا
لیکن یہ سورج اس میں نہ گرمی ہے
نہ جلانے کی خواہش
نہ زندگی

مٹانے کی خواہش

یہ مہرباں سورج اتنا مہرباں کیوں ہے؟

اس کے چہرے کے

بھبھو کے کیا ہوئے

اس کی جلانے کی طاقت کیا ہوئی

جس شب

سورج زمیں پر اترا

زمیں نے بھی

کھُلی باہوں سے

اس کا استقبال کیا

سورج اور زمیں میں

یہ ایک نیا رشتہ ہے

جس میں جلن نہیں

ساتھ ساتھ

جینے کا سلیقہ ہے

ایک شب

ہم نے دیکھا

سورج اتر آیا ہے
زمیں پر اور زمیں نے بھی
کھُلی باہوں سے
اُس کا استقبال کیا ہے

21 ستمبر 2009

آ اے دوست

آ اے دوست

سامانِ سفر باندھیں اور روانہ ہوں

اُن سرزمینوں کی طرف، اُن ان دیکھی منزلوں کی طرف

جن کا نشاں کوئی نہیں

آ اُس بحر میں ڈالیں اپنی کشتیاں

جو کناروں سے ہوں نا آشنا

آ کہ چلیں

اُس صحرا کی طرف، جس کی

بے پایانی کا منظر چشمِ ناقہ

کی وحشتوں سے ہویدا ہو

یا چلیں

دامنِ کوہ میں سوئی اُن وادیوں کی طرف

جہاں کوئی گھر نہ ہو

کھڑکیاں نہ ہوں، دروازے نہ ہوں
اور دروازوں پر تالے نہ ہوں
تالے نہ ہوں، آہیں نہ ہوں، سسکیاں نہ ہوں اور نالے نہ ہوں
آ اے دوست سامانِ سفر باندھیں اور روانہ ہوں
اُن سرزمینوں کی طرف اُن ان دیکھی منزلوں کی طرف
جہاں کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کے سوال
ہم آشنائی کی سماعت کے بند دروازوں پر دستک نہ دیں
آ اے دوست سامانِ سفر باندھیں اور روانہ ہوں
مشرقی آسماں پر اُس روشن ستارے کی سمت
اُن ان دیکھی سرزمینوں کی طرف، جہاں کوئی
پوسٹ مین آئے، نہ فون ہو، نہ گھنٹی بجے
جہاں، چاند ہو، ستارے ہوں، چمکتا سورج ہو اور
نیلے آسمان میں دور تک بل کھاتی ہوئی ایک پگڈنڈی ہمارا راستہ ہو
آ اے دوست، سامانِ سفر باندھیں اور روانہ ہوں
اُن سرزمینوں کی طرف اُن ان دیکھی منزلوں
جہاں کوئی، آئے نہ جائے
جہاں کوئی نہ پوچھے، کون ہو، کہاں سے آئے ہو
اور تمہارا باہمی رشتہ کیا ہے

14 اکتوبر 2009

سگہائے آوارہ

سارے میں پھیلی، بارُود کی بُو
اور انسانی جسموں کے بکھرے خون آلود اعضاء
وِیراں گلیاں اور کُوچے اور کُوچوں میں پھرتے
سگہائے آوارہ
اے ربِ ارض وسما
یہ منظر کیسے منظر ہیں
یہ انساں، کیسے انساں ہیں
یہ کیسے وحشی درندے ہیں؟
ترا جہنم تو کسی نے نہیں دیکھا
لیکن یہ جہنم کیسا ہے؟
جس میں نہ ہے کوئی وکیل
نہ ہے کوئی منصف

ہے تو بس ایک سزائے مسلسل ہے
جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے
بارُود کی بُو ویران گلیاں اور کُوچے
سگہائے آوارہ
اور انسانوں کے بکھرے خون آلُود اعضاء
اے ربِ ارض وسما تُو ہی بتا
اس جہنم سے انساں کب رہا ہوں گے؟
اور کیسے رہا ہوں گے؟

25 اکتوبر 2009

جنم دِن

آج میرا جنم دِن ہے
دوست آئے ہیں
ہاتھوں میں پھُول لیے
رنگ برنگے
غبارے تھامے
جنم دن کی مبارک دینے
سب سوچتے ہیں
کئی سال پہلے
اس دِن
میرا جنم ہُوا تھا
میں سوچتا ہوں
کس طرح ان سے کہوں

میں ابھی

جنم لینے کے

مرحلے سے بہت دور

کسی ناپیدا دنیا میں

مستور

اپنے جنم لینے کا

منتظر ہوں

ابھی تو

وقت کی رَو میں

اس لمحے کا

نشاں بھی نہیں

ابھی تو

اس سلسلۂ بود و نابود

کی رَو میں

وہ مکاں بھی نہیں

جس میں

جنم لینا ہے مجھے

کیسے کہوں

میرے بے صورت الفاظ

بہرِ سماعت

موجود و نا موجود نہیں

میرے یہ غبارے

اور پھول بدست دوست

کیسے سمجھیں گے

یہ بات

یہ تو آئے ہیں مجھے

جنم دن کی

مبارک دینے

29 اکتوبر 2009

بلوچوں کے حقوق کا اعلان نامہ

حقُوق لینے اور دینے
کا کاروبار
کرنے والے
بھُول جاتے ہیں
حقُوق نہ لیے جاتے ہیں
نہ دیئے جاتے ہیں
ہر انسانی بچہ
اپنے خالق کی طرف سے
حقُوق کے ساتھ
پہلی سانس لیتا ہے
اور یہ حقُوق

اس وقت تک اس کا
اثاثہ رہتے ہیں
جب تک اس کی پیشانی پر
اس کے پیارے
آخری وداعی بوسہ دے کر
اسے سپردِ خاک
نہیں کرتے
حقُوق لینے اور دینے
کا کاروبار
کرنے والے
بھُول جاتے ہیں
انہیں یہ حق کسی نے
نہیں دیا
کہ وہ آزاد انسانوں
کے حقُوق
پہلے سلب کریں
اور پھر نسل در نسل
ان پر

مظالم کے پہاڑ

توڑنے کے بعد

اچانک

ایک دن انہیں مژدہ سنائیں

کہ آج کا دن

تمہارے لئے

جشن کا دن ہے

کیونکہ

آج

تمہارے سب حقُوق

بحال

کردیئے گئے ہیں

حقُوق لینے اور دینے

کا کاروبار

کرنے والے

بھُول جاتے ہیں

کہ کسی انسان کا

پابندِ سلاسل گزرا ایک لمحہ
اس کی روح پر
لگا جاتا ہے ایسے
کاری گھاؤ
جو کبھی مندمل نہیں ہوتے

چاہے
حقُوق لینے اور دینے کے
سینکڑوں فرمان
جاری ہوں
حقُوق لینے اور دینے
کا کاروبار
کرنے والے
بھُول جاتے ہیں
حقُوق نہ لیے جاتے ہیں
نہ دیئے جاتے ہیں
حقُوق ہوتے ہیں
جو نہ کوئی چھین سکتا ہے
اور نہ دے سکتا ہے

24 نومبر 2009

آئینۂ دل میں آویزاں عکس

آئینۂ دل میں
آویزاں ہے
محبوب کا عکس
دوسرا آئینہ جس میں
آویزاں تھا
محبوب کا عکس
ہاتھ سے گرا
ٹوٹ گیا
دل کے آئینے میں
آویزاں
محبوب کا عکس
ٹوٹے ہوئے آئینے میں
اپنے عکس کی

شکست وریخت سے

افسردہ

آنے والے زمانوں

کے حقائق سے

ترساں

ٹوٹے ہوئے آئینے میں

آویزاں

عکس سے کہتا ہے

جس طرح

ٹوٹا ہے تیرا آئینہ

ایسے ہی ایک دن

ٹوٹ جائے گا یہ دل بھی

اور تیری طرح

میں بھی

ہمیشہ کے لئے

بکھر جاؤں گا

29 نومبر 2009

خود کو دیکھا تو خدا کو جانا

میں موج ہوں
تُو میرا دریا ہے
میں خاک ہوں
تُو میرا صحرا ہے
تُو ہے تو میں ہوں
تُو نہ ہو
تو میں بھی نہیں
میں نے موج کو دیکھا
تو دریا کو جانا
میں نے خاک کو دیکھا
تو صحرا کو جانا
میں نے خود کو دیکھا

تو خدا کو جانا

میری ہستی

میری مستی

بے سبب تو نہیں

کی جس نے

حق کی طرف راہنمائی میری

صد شکر

اس سفرِ زیست میں

اس مردِ دانا کو جانا

میں نے خود کو دیکھا

تو خدا کو جانا

9 دسمبر 2009

حوّا اور آدم

وہ شام سُہانی شام
جب سرخ شراب کے جام
آپس میں ٹکرا کر
ہوئے محوِ رقص دوام
وہ شام سُہانی شام
جب حوّا نے
ادھ کھُلی آنکھوں سے
آدم کو دیا پیغام
وہ شام سُہانی شام
آدم نے بہ فرطِ محبت
اپنے دونوں بازوؤں میں
حوّا کو لیا یوں تھام

پہنچا اوج پہ
رقصِ وارفتگی

ہوئے ایک، دو نازک اندام

وہ شام سُہانی شام

جب سُرخ شراب کے جام

آپس میں ٹکرا کر

ہوئے محوِ رقصِ دوام

جب ختم ہوئی دیوانگی

حوّا کی سیپ سی
ادھ کھلی آنکھوں میں

دو آنسو تھے مدام

حوّا کے

ان موتی جیسے آنسوؤں پر

کچھ پریشاں تھا آدم

ہوئی بوجھل کچھ کچھ شام

وہ شام سُہانی شام

جب سرخ شراب کے جام

آپس میں ٹکرا کر

ہوئے محوِ رقصِ دوام

18 دسمبر 2009

سلام اُس سرزمیں پر

اے مشرق کی طرف
اُڑنے والے پرندے
اُڑتے جانا
یہاں تک کہ تم
اُس سرزمیں تک پہنچو
جس نے ہمیں جنم دیا تھا
سلام اُس سرزمیں پر
وہ سرسبز میدانوں
اونچے پہاڑوں
اور بہتے دریاؤں کی
سرزمیں
جس کا نام ہے

پاکستان

سلام اُس سرزمیں پر

سلام اُس سرزمیں پر

وہاں پہنچو

تو اُس کے باسیوں سے

بصد ادب کہنا

کہ دنیا بھر میں پھیلے

تمہارے بیٹے بیٹیاں

تمہاری یاد میں روز وشب

اشکبار آنکھوں اور

بے قرار دل سے

تمہاری سلامتی

کی دعائیں کرتے ہیں

تمہارے غموں پر

آنسو بہاتے اور

تمہاری خوشیوں پر

خوش ہوتے ہیں
اے مشرق کی طرف
اُڑنے والے
اُڑتے جانا
یہاں تک کہ تم
اس سرزمیں تک پہنچو
جس نے ہمیں جنم دیا تھا
سلام اُس زمیں پر
سلام اُس زمیں پر
وہ سرسبز میدانوں
اونچے پہاڑوں
اور بہتے دریاؤں کی
سرزمیں
جس کا نام ہے
پاکستان
سلام اُس سرزمیں پر
سلام اُس سرزمیں پر

25دسمبر2009

آج کی شب

آج کی شب
رقص اور شور و شغب
کی شب
حُسن اور عشق
کے ناز و نیاز کی شب
سب گرفتہ دِلو آؤ
جام اٹھاؤ
کسی کے نام کرو
رقص آغاز کرو
آج کی شب
رقص اور شور و شغب
کی شب

سب عاشقو آؤ

سب حسینو آؤ

ہو جاؤ لب بہ لب

آج کی شب

غضب کی شب

آج کی شب

رقص اور شور و شغب

کی شب

7 جنوری 2010

برف میں کھِلا پھُول

اے برف میں کھِلے پھول

تجھے کیا خبر

ہم تیری محبت میں

کس دنیا سے آئے ہیں

کتنا سفر کر کے

ہم جانتے ہیں

تیرا دل کش حُسن

ہمارے دل کی گرمی کی

تاب نہیں لا سکتا

پھر بھی ہم تیرے لئے

لائے ہیں اس گرم

دل کا تحفہ

ہم جانتے ہیں
تیری زندگی ہے
برف کی مرہونِ منت
لیکن اس عشق کا
کیا کریں
جو تصوراتِ سرد و گرم
سے ماورا
ہمیں کشاں کشاں
تیری طرف کھینچے
چلا جاتا ہے
اے برف میں کِھلے پھول
زمستانی دنیا کے
حُسن میں مگن
تیری نگراں آنکھ
منتظر ہے جس عاشق کی

وہ حاضر ہے

آشفتہ بخوں

اوڑھا دے اسے

برف کی چادر

اور اپنی طرح اس کو

یخ کردے

10 جنوری 2010

اُن کا کہنا ہے

اُن کا کہنا ہے
کہ مسکراہٹ میں
چھپا لوں آنسُو
اُن کا کہنا ہے
کہ دل کا دُکھ
نہ زباں تک آنے پائے
اُن کا کہنا ہے
کہ پائیز کی بے رحم ہواؤں میں
کِھلتے ہوئے پھولوں کے
ترانے لکھوں
اُن کا کہنا ہے
برہنہ آنکھوں سے دیکھوں

تتلیوں کے جھُلسے پنکھ
اور امن کی بات کروں
شہزادوں اور پریوں کے
فسانے لکھوں

یہ بجا ہے
کہ برستی ہوئی بارش میں
قوس وقزح
مُسکرا اُٹھتی ہے

یہ بجا ہے
کہ پائیز کے بے رحم ہاتھ
کچھ پھولوں کے دامن کو
نہیں چُھو سکتے
لیکن یہ بھی سچ ہے
کہ روح کی گہرائیوں میں
چھپا دکھ
چاند اور سورج کے
چہروں کو دُھندلا دیتا ہے

چند لمحوں کے لیے اُن کے ابدی
حُسن کو گہنا دیتا ہے
اُن کے کہنے پر میں نے
مسکراہٹ میں چھپائے ہیں آنسو
لیکن روح کی گہرائیوں میں
چھپے دُکھ سے
چہرے پر ابھرتے دھبوں
کا کروں کیا؟
اِن آنسوؤں کا
تتلیوں کے جھلسے پروں کا
پائیز کے موسم میں
مُرجھائے ہوئے پھولوں کا
کروں کیا؟
کاش کوئی اُن سے کہے
روح کی گہرائیوں میں
چھپے دُکھ
چھپانے سے نہیں چھپتے

آنکھ میں آنسو دہ

آنسوؤں کے دریا

روکنے سے نہیں رُکتے

ان کا کہنا ہے

کہ مسکراہٹ میں

چھپالوں آنسو

9جنوری2010

ایستادہ رہو

اس طوفانِ بادو باراں میں

ایستادہ رہو

درختوں کی طرح

یہ طوفاں گزر جائیں گے

چند پتے اگر گر بھی گئے

چند شاخیں اگر ٹوٹیں بھی

آنے والا موسمِ گُل

نئی شاخوں

اور

نئے پتوں کے

تحفے لائے گا

نئی پوشاک

تمہیں پہنائے گا

لیکن

تم اگر ایستادہ نہ رہے

نہ خار رہیں گے

نہ گُل رہیں گے

اور

نہ ہی یہ گلشن ہوگا

ایستادہ رہو

درختوں کی طرح

یہ طوفاں گزر جائیں گے

26 جنوری 2010

جنگل میں برستی بارش

تاروں بھرے آسماں

اور نکھری رات میں

بارش میں بھیگتے جنگل

جیسی زُلفیں لیے

چاندنی جیسے سفید بازو

پھیلائے

کون ہے؟ جو

میری خواب گاہ میں

چلا آیا ہے

کوئی خیال ہے کہ حقیقت

کہہ نہیں سکتا

جو بھی ہے اتنا حسیں ہے

کہ میں اس سے

لحظہ بھر نظریں

ہٹا نہیں سکتا

چاہوں بھی تو میں

ہوش میں آ نہیں سکتا

تاروں بھرے آسماں

اور نکھری رات میں

بارش میں بھیگتے جنگل

جیسی زُلفیں لیے

چاندنی جیسے سفید بازو

پھیلائے

کون ہے؟ جو

میری خواب گاہ میں

چلا آیا ہے

بس اتنی خبر ہے

کہ وہ پیکرِ رنگ ونُور

بارش میں بھیگتے جنگل

جیسی زُلفیں لیے

چاندنی جیسے سفید بازو

پھیلائے

اس طرح آیا ہے کہ

اُس کے اٹھتے ہوئے

قدموں سے

پیانو پر لہرائی کسی

دلبر کی مخروطی انگلیوں

کی طرح

موسیقی کا سیلاب

اُمڈا چلا آتا ہے

جو بھی ہے اتنا حسیں ہے

کہ میں اُس سے

لحظہ بھر نظریں

ہٹا نہیں سکتا

چاہوں بھی تو میں

ہوش میں آ نہیں سکتا

کوئی خیال ہے کہ حقیقت

کہہ نہیں سکتا

17 جنوری 2010

غم کی بارش

دل کی سرزمین پر
غم کی قطرہ قطرہ
گرتی بارش
آسماں کی نیلگوں آنکھ سے
ٹوٹ کر
آنسو کی طرح
گرتا ستارا
اوراس پر
اُس محبوب سے جدائی
جس کے
بغیر سانسیں
جہنم کے شعلوں میں

ڈھل جاتی ہیں
ایسی زندگی کا
کوئی کرے تو کیا کرے
ایسی زندگی
کوئی جیے تو کیسے جیے
دل کی سرزمین پر غم کی
قطرہ
قطرہ
گرتی بارش

24 نومبر 2009

ابرِ عشق

کتنا حسیں ہے
اب کی بار خزاں کا موسم
ساتھ ہے وہ تو
زرد پتے بھی حسیں
دِکھتے ہیں
سوچتا ہوں
اس کے ہوتے
اگر یہ خزاں کا منظر ایسا ہے
اُس کے ہوتے
موسمِ گُل
کیسا دِکھے گا
گلپوش زمیں

کیسی دِکھے گی

نیلگوں آسماں

کیسا دِکھے گا

دیکھ کر اس کی آنکھوں میں

عشق کے اُڑتے بادل

سوچتا ہوں

برسے گا یہ ابر

تو کیسا دِکھے گا

گلپوش زمیں

کیسی دِکھے گی

نیلگوں آسماں

کیسا دِکھے گا

11 دسمبر 2010

جشنِ مرگ

جشنِ مرگ مناؤ
کہ ملک الموت نے آخر
بجادیا ہے
طبلِ آزادی
روک لو آنسوؤں کی بارش کو
خورشیدِ جشنِ مسرت کو
غم کے بادلوں سے
باہر آنے دو
طبلِ ملک الموت
دراصل
اس جشن کے
آغاز کا

اعلان نامہ ہے

جب
قیدِ زمان و مکاں سے
شعورِ ذات
رہائی پاتا ہے
اس شش جہت
جہانِ رنگ و بو سے
اُس جہانِ عشرت میں
لوٹ جاتا ہے
جہاں حسنِ لازوال کے
وصال کا سورج
کبھی غروب نہیں ہوتا
جشنِ مرگ مناؤ
کہ ملک الموت نے آخر
بجادیا ہے
طبل رہائی

30اکتوبر2009